سعادت حسن منٹو کی انسان دوستی ان کے افسانوں کی روشنی میں

ڈاکٹر غلام ربانی*

Abstract:

This research article deals with creative process of Sadat Hassan Mantoo in the contest of humanism. According to the writers much of the characters of Mantoo's stories have a hidden humanism that appears at the surface. When these characters come across any inhuman situation.

سعادت حسن منٹو کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ وہ فحش کاری، رندی بازی، شراب خوری کا پر چم اڑانے والے تھے۔ بداخلاقی کا دروازے کھولنے والے تھے۔ بدمزاجی کے ساتھ بات کرتے تھے اور بعض وقت گالی بھی دیتے تھے۔ کیا وہ صرف بدکار ہی تھے؟ صرف شراب میں ڈوبے تھے؟ کیا ان میں کوئی مروت نہیں تھی؟ انسان دوستی اور ہمدردی کوئی بھی ان میں نہیں تھی؟ کیا ان کی زندگی، ان کے افسانے پیام انسانیت سے پر خالی ہیں؟ یہ خیالات کے جواب تلاش کرتے کرتے اس مقالہ کا ایجاد ہوا۔ اصل میں منٹو سب انسانوں کے مانند ایک انسان ہے۔ ان میں محبت ہے، خواہش ہے، ادب واخلاق بھی ہے۔ اچھے انسان بنے کی بھی کوشش ہیں۔ لیکن ان کے سامنے ایک سماج تھا جو ان کو اچھے بنے کو نہ دیا تھا۔ سماج کے رذیلہ طبقہ انسان ہی انکے افسانے اور فلم کا موضوع بنا۔ ان کے افسانے میں ہمدردی اور انسان دوستی کا بے پناہ جذبہ ہے۔

* صدر شعبہ اُردو، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش

ان کا افسانہ ’’بابو گوپی ناتھ‘‘ ایک انسان دوست شخص کی عکاسی ہے۔ سماج کے ایک طوائف زینت کے لئے بابو گوپی ناتھ کی طرف سے جو ہمدردی اظہار کی جاتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔منٹو گوپی ناتھ کے کردار سے اپنی دلی رجحان کا اظہار کر دیا کہ سماج کے جو طوائف ہیں وہ دراصل ایک باادب عورت ہیں۔اگر ان کو موقع مل جائے تو وہ زمیندار کے گھریلی بھی بن سکتی ہے۔ زینت کی فکر میں گوپی ناتھ ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔یہ فکر زینت کو طوائفی زندگی سے رہائی کیلئے ہے۔ جس کی تصویر کشی منٹو کی زبان سے یوں ہے:

> یوں بھی مجھے دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ لاہور میں اس کا اکثر وقت فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں کٹتا تھا، یہ چیز میں نے خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ کھویا کھویا سا تھا۔جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے۔میں نے چنانچہ اس سے ایک بار کہا’’بابو گوپی کیا سوچ رہے ہیں آپ‘‘۔
>
> وہ چونک پڑا۔جی میں....میں ....کچھ نہیں۔یہ کہہ کر وہ مسکرایا اور زینت کی طرف ایک عاشقانہ نگاہ ڈالی۔ان حسینوں کے متعلق سوچ رہا ہوں......اور ہمیں کیا سوچ ہوگی‘‘۔(۱)

سعادت حسن منٹو طوائف کے بارے میں وکالت کرتے تھے۔ان کے بارے میں ہمدردی کا بھی اظہار کرتے تھے،مگر سب طوائف کے لئے نہیں۔ بلکہ ان نیک سلوک عورتوں کے لئے جو صرف بھوکے اور فاقہ مستی کے لئے اس زندگی کو رطوعاً وکرہاً اختیار کی۔دراصل ان میں محبت،خلوص، گھریلو پن اور خدمت کا جذبہ اصل بیویوں سے کہیں زیادہ ہے۔منٹو اسی نظریہ کو’’بابو گوپی ناتھ‘‘میں اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

> بابو گوپی ناتھ نے جو اب نشے میں تھا۔زینت کی طرف وہی عاشقانہ نگاہ ڈال کر کہا۔
>
> ’’منٹو صاحب میری زینت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے‘‘۔
>
> میں نے سوچا کیا کہوں۔زینت کی طرف دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔میں نے ایسے ہی کہہ دیا۔’’بڑا نیک خیال ہے‘‘۔
>
> بابو گوپی ناتھ خوش ہوگیا۔’’منٹو صاحب ہے بھی بڑی نیک لوگ۔خدا کی قسم نہ زیور کا شوق ہے نہ کسی اور چیز کا۔ میں نے کئی بار کہا۔ جان من مکان بنوادوں؟ جواب کیا دیا۔معلوم ہے آپ کو؟.....کیا کروں گی مکان لے کر۔میرا کون ہے......منٹو صاحب موٹر کتنے میں آجائے گی۔‘‘(۲)

بابو گوپی ناتھ کے کردار منٹو کا شاہکار ہے۔اس میں وہ اپنی زندگی کو ابھرا ہے۔اس میں بدمعاشی بھی ہے، انسان دوستی بھی ہے۔وہ دوسروں کے پرخلوص سلوک کو احترام کرتے ہیں۔ دوسوں کے دھوکے وہ سمجھتے ہیں لیکن بیوقوف بننے میں اسے لطف آتا ہے۔ ممتاز شیریں کی زبان پر۔

بابو گوپی ناتھ مروجہ اخلاقی قدروں کی رو سے چھٹا ہوا بدمعاش ہے،عیاش اور رندِ خانہ خراب ۔لیکن اس بدی کے خول میں ایک نیک باطن ہے۔اس کی روح پاکیزہ ہے، اس کا دل بڑا ہے۔اس کے پاس خلوص، ہمدردی اور دوستی کا بے پناہ جذبہ ہے۔خلوص اس کے اپنے پاس ہے اور وہ دوسروں کے خلوص کی قدر کرتا ہے اگر وہ زینت کا سا سچا خلوص ہو۔ دوسروں کے دھوکے کو وہ پہچانتا ہے۔اس کے باوجود ان سے دوستی قائم رکھتا ہے اور ان پر بے دریغ خرچ کرتا ہے کیونکہ بیوقوف بننے اور اپنے آپ کو دھوکا دینے میں اسے لطف آتا ہے۔‘‘(۳)

منٹو نے طوائفوں کی زندگی کو ان کے افسانے میں جگہ دی۔وہ چاہتے تھے کہ طوائفوں کے دل کی بات سب انسان سن لیے اور ان کے بارے میں اپنے نظریۂ کو بدل ڈالے۔ساتھ ساتھ سماج میں انہوں کیلئے اچھے کوئی بندوبست ہو جائے۔’’ہتک‘‘افسانہ کے کردار سوگندھی کے نظریہ سے:

وہ جانتی تھی کہ وہ بری نہیں اچھی ہے، پر وہ چاہتی تھی کہ کوئی اس کی تائید کرے ....کوئی ....کوئی .....اس وقت کوئی اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا کہہ دے۔ ’’سوگندھی! کون کہتا ہے ،تو بری ہے، جو تجھے برا کہے۔وہ آپ برا ہے‘‘....نہیں ،یہ کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا۔’’سوگندھی تو بہت اچھی ہے!‘‘(۴)

سعادت حسن منٹو سماج کے سب طوائفوں کے کاندھوں پر اپنا قلمی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ: تم بری نہیں ہو۔تم تو انسان ہو۔تم کو پھر انسان کی طرح زندگی بسر کرنی ہوگی۔

سعادت حسن منٹو کے افسانے کو ہم تین دور سے تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلے دور میں صرف رومان،عشق اور سرسری بات ملتی ہے۔’’بو‘‘ ان کے پہلے دور کا افسانہ ہے، جس میں صرف گھاٹن لڑکی کے لئے ایک چاہت تھی۔ دوسری دور کے افسانے میں زیادہ سیاسی اور سماجی احتجاج ہے۔اس دور کے افسانوں میں’’نیا قانون‘‘ ’’نعرہ‘‘ ’’شغل‘‘ ’’ٹھنڈا گوشت‘‘وغیرہ ہیں۔آخری دور میں سیاسی اور سماجی احتجاج کے حل بھی پیش کی ہے۔اسی دور کا ایک افسانہ ہے’’بابو گوپی ناتھ‘‘۔اس دور میں ان کے افسانوں میں انسان دوستی کی زیادہ ظہور ہوتی ہے۔اسی بات کو ممتاز شیریں قلم بند کرتے ہیں۔

’’منٹو کے بدلے ہوئے تصور میں اس نامکمل انسان کی نمایاں مثال بابو گوپی ناتھ ہی ہے۔منٹو اپنے کردار اب بھی وہیں لیتا ہے، یہ کردار اب بھی وہی ہیں یعنی طوائف۔ لیکن طوائف سلطانہ اور سوگندھی کی طرح پکی اور خالص طوائف نہیں ہے۔ بلکہ

زینت، جانکی اور ساردا۔ جن میں منٹو نے اس اصل عورت کو ابھارا ہے جو طوائف کے اندر موجود ہوتی ہے۔'' **(۵)**

دوسرے الفاظ ہم کہہ سکتے ہیں ''رنڈی میں عورت اور عورت میں رنڈی'' کی تلاش کیا ہے منٹو۔ منٹو دوسروں کی دکھ درد کو محسوس کرتے تھے۔ دوسروں کی خوشیوں سے وہ بھی خندہ پیشانی ہوتے تھے۔ کسی کی دکھ دیکھتے تو وہ غمخوار ہو جاتے تھے۔ یہ حالت موت تک جاری تھی۔ منٹو نے موت سے تھوڑی وقت پہلے لکھا :

''میرے دوست بھی ہیں۔ جو مجھ سے زیادہ مفلوک الحال ہیں بروقت اگر میں ان کی مدد نہ کرسکوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ دنیاوی معاملات میں اگر کسی کا یا اپنا سر جھکا ہوا دیکھوں تو خدا کی قسم مجھے دکھ ہوتا ہے۔'' **(۶)**

سعادت حسن منٹو اپنی ہمدردی اور انسان دوستی کا نمونہ ان کا افسانہ ''ممی'' میں کچھ اظہار کیا ہے۔ اس میں جب چڈے کو سخت بخار ہوتا ہے تو اس کی تیمارداری میں ممی مشغول ہو جاتی ہے۔ اس افسانہ کا ایک منظر یوں ہے۔

ممی اس کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔ وہ شفقت کا مجسمہ تھی۔ چڈے کے تپتے ہوئے ماتھے پر ہاتھ پھیر کر اس نے مسکراتے ہوئے صرف اتنا کہا۔ ''میرے بیٹے... میرے غریب بیٹے!''

چڈے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن فوراً ہی اس نے ان کو جذب کرنے کی کوشش کی اور کہا ''نہیں.... تمہارا بیٹا اول درجے کا سکاؤنڈرل ہے..... جاؤ اپنے مرحوم خاوند کا پستول لاؤ اس کے سینے پر داغ دو!''

ممی نے چڈے کے گال پر ہولے سے طمانچہ مارا۔ ''فضول بکواس نہ کرو''۔ پھر وہ چست و چالاک نرس کی طرح اٹھی اور ہم سب سے مخاطب ہو کر کہا ''لڑکو.... چڈہ بیمار ہے، اور مجھے ہسپتال لے جانا ہے اسے..... سمجھے؟''

سب سمجھ گئے۔ غریب نواز نے فوراً ٹیکسی کا بندوبست کر دیا۔ چڈے کو اٹھا کر اس میں ڈالا گیا۔ وہ بہت کہتا رہا کہ اتنی کون سی آفت آ گئی ہے جو اس کو ہسپتال کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ مگر ممی یہی کہتی رہی کہ بات کچھ بھی نہیں۔ ہسپتال میں ذرا آرام رہتا ہے۔ چڈہ بہت ضدی تھا مگر نفسیاتی طور پر وہ اس وقت ممی کی کسی بات سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔

چڈہ ہسپتال میں داخل ہو گیا..... ممی نے اکیلے میں مجھے بتایا کہ مرض بہت خطرناک ہے، یعنی پلیگ یہ سن کر میرے اوسان خطا ہو گیے۔ خود ممی بہت پریشان تھی۔ لیکن اس

کو امید تھی کہ بلا ٹل جائے گی اور جڑہ بہت جلد تندرست ہو جائے گا۔(۷)

منٹو نے ''کھول دو'' افسانے میں اپنی بیٹی کے لئے ایک باپ کی ہمدردی کو دیکھایا ہے۔اس میں سکینہ کے لئے اس کے باپ سراج الدین بیقرار ہو جاتے ہیں۔سکینہ کو وہ فسادات کے وقت کھو بیٹھے تھے۔سراج الدین کی حالت کو اس طرح منٹو پیش کرتے ہیں۔

> سکینہ اس کے ساتھ ہی تھی۔دونوں ننگے پاؤں بھاگ رہے تھے۔سکینہ کا دوپٹہ گر پڑا تھا۔ اسے اٹھانے کے لئے اس نے رکنا چاہا تھا مگر سکینہ نے چلا کر کہا تھا۔ابا جی ....چھوڑیئے۔ لیکن اس نے دوپٹہ اٹھالیا تھا....یہ سوچتے سوچتے اس نے اپنے کوٹ کی بھری ہوئی جیب کی طرف دیکھا اور اس میں ہاتھ ڈال کر ایک کپڑا نکالا...سکینہ کا وہی دوپٹہ تھا...لیکن سکینہ کہاں تھی؟ سراج الدین نے اپنے تھکے ہوئے دماغ پر بہت زور دیا مگر وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔کیا وہ سکینہ کو ساتھ اسٹیشن تک لے آیا تھا؟....کیا وہ اس کے ساتھ ہی گاڑی میں سوار تھی؟....راستہ میں جب گاڑی روکی گئی تھی اور بلوائی اندر گھس آئے تھے تو کیا وہ بے ہوش ہو گیا تھا جو وہ سکینہ کو اٹھا کر لے گئے؟(۸)

۱۹۴۷ کے فسادات کے وقت سراج الدین بیٹی کو ساتھ لے کر بھاگنے کے وقت سکینہ کو اپنے زندگی سے کھو بیٹھنے کے بعد جو حالت ہوئی تھی وہ صرف سراج الدین کو نہیں ہوئی بلکہ اس وقت کے اکثر انسانوں کو ہوئی تھی۔منٹو کے زبان پر

> ''سراج الدین کے دماغ میں سوال ہی سوال تھے، جواب کوئی بھی نہیں تھا۔اس کو ہمدردی کی ضرورت تھی۔لیکن چاروں طرف جتنے بھی انسان پھیلے ہوئے تھے سب کو ہمدردی کی ضرورت تھی۔سراج الدین نے رونا چاہا مگر آنکھوں نے اس کی مدد نہ کی۔ آنسوں جانے کہاہ غائب ہو گئے تھے۔''(۹)

اس افسانہ میں سکینہ کا جو حال ہوا تھا وہ قابل فکر بات ہے۔جوان لڑکوں سکینہ کو تلاش کر کے جب اپنے پاس لیتے تھے تب وہ رضا کار جوانوں نے ویسا ہی کرتے تھے جو فسادات والے کرتے تھے۔پھر جب سکینہ کو ہسپتال لیا گیا تب ڈاکٹر سے بھی شاید وہی سلوک ظاہر ہوئی جس کی وجہ سے سکینہ کے باپ کی حاضری سے ڈاکٹر کو الجھن آ گیا تھا۔منٹو کے نظر میں شاید ہم سب وحشی ہیں۔

منٹو انسان دوستی کو تلاش کیا لیکن ان کے سماج میں انسان دوستی کم تھی۔سکینہ کے مانند بہت عورتیں فسادات کا شکار ہوئے ہیں۔بہت انسان بھی جان دے وی ہیں۔منٹو سماج کے اس بات کو سب کے سامنے کھول دینے کے وجہ سے وہ کسی کے پاس دیش کا دشمن بن گیا اور کسی کے پاس وہ قابل تعریف بھی ہوئے۔منٹو کی زندگی کے

یہ کش مکش کو اظہار کرتے ہوئے منٹو خود لکھتے ہیں:

مجھے آپ افسانہ نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں اور عدالتیں ایک فحش نگار کی حیثیت سے۔حکومت مجھے کبھی کمیونسٹ کہتی ہے اور کبھی ملک کا بہت بڑا ادیب۔کبھی میرے لئے روزی کے دروازے بند کیے جاتے ہیں، کبھی کھولے جاتے ہیں۔کبھی مجھے غیر ضروری انسان قرار دے کر ''مکان باہر'' کا حکم دیا جاتا ہے۔کبھی موج میں آ کر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ نہیں تم ''مکان اندر'' رہ سکتے ہو۔(۱۰)

سعادت حسن منٹو نے انسان دوستی کو ڈائرک ان کے افسانوں کے موضوع نہیں بنایا۔لیکن انسانیت کو جگانے کے لئے ہمہ تن کوشش کیا۔منٹو کے بارے میں کرشن چندر کے یہ مقولہ سے مقالہ کا اختتام کھینچتا ہوں۔

''اردو ادب میں اچھے اچھے افسانہ نگار پیدا ہوئے لیکن منٹو دوبارہ پیدا نہیں ہوگا اور کوئی اس کی جگہ لینے نہیں آئے گا۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور راجندر سنگھ بیدی بھی، عصمت چغتائی بھی، خواجہ احمد عباس بھی اور اوپندر ناتھ اشک بھی۔''(۱۱)

مأخذ و منابع

۱۔ سعادت حسن منٹو، ''بابو گوپی ناتھ''، سعادت حسن منٹو کے ۱۰ بہترین افسانے (انتخاب: شہزاد منظر) (لاہور: تخلیقات، اپریل ۲۰۰۱ء)، ص ۱۰۴

۲۔ ایضا ص ۱۰۵

۳۔ ممتاز شیریں، ''منٹو کا تغیر، ارتقا اور فنی تکمیل''، اردو افسانہ روایت و مسائل (مرتبہ: پروفیسر گوپی چند نارنگ)، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، 1981)، ص ۲۱۰

۴۔ سعادت حسن منٹو، ''ہتک''، سعادت حسن منٹو کے ۱۰ بہترین افسانے ص ۲۷

۵۔ ممتاز شیریں، ''منٹو کا تغیر، ارتقا اور فنی تکمیل''، اردو افسانہ روایت و مسائل ص ۲۱۲

۶۔ جگدیش چندر ودھاون، منٹو نامہ (دہلی: اردو اکادمی دہلی، ۱۹۷۹، ص ۷۶ کے حوالے سے ''جیب کفن''، مجموعہ ''یزید'' (دہلی: ساقی بک ڈپو)، ص ۱۸۱

۷۔ سعادت حسن منٹو، ''ممی''، سعادت حسن منٹو کے ۱۰ بہترین افسانے ص ۸۷

۸۔ سعادت حسن منٹو، ''کھول دو''، سعادت حسن منٹو کے ۱۰ بہترین افسانے ص ۱۵۲

۹۔ ایضا

۱۰۔ جگدیش چندر ودھاون، منٹو نامہ، ص ۵۵

۱۱۔ جگدیش چندر ودھاون، منٹو نامہ کی آخری سرورق پر